# افسانہ

اردو میں مختصر افسانہ مغربی ادب کی دین ہے۔ یہ جدید دور کی پیدوار ہے۔ عصر حاضر میں مصروف رہنے والوں کے لیے مختصر افسانہ، ناول اور داستان سے زیادہ کشش رکھتا ہے۔

مختلف نقادوں نے اپنے اپنے طور پر افسانے کی تعریفیں بیان کی ہیں۔ ایک نقاد نے کہا ہے کہ افسانہ ایسی نثری کہانی ہے جو ایک ہی نشست میں پڑھی جا سکے۔ ایک اور نقاد کہتا ہے کہ افسانے میں بنیادی چیز وحدت تاثر ہے۔

ایک اچھا افسانہ اختصار کے ساتھ زندگی کے کسی گوشے کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ افسانہ میں جھول ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں چونکہ یہ مختصر ہوتے ہیں۔ لازم ہے کہ افسانہ نگار کا مشاہدہ اور انسانی نفسیات کا مطالعہ گہرا ہونا چاہیے۔ کردار بھی ایسے ہوں جو ہماری زندگی اور تجربوں سے مطابقت رکھتے ہوں۔

افسانے کے اجزائے ترکیبی میں پلاٹ، موضوع، کردار، مکالمہ، منظر کشی، ماحول اور زبان و بیان کی رنگینیاں قابل ذکر ہیں۔

اردو کے افسانہ نگاروں میں پریم چند، علی عباس حسینی، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، سہیل عظیم آبادی، شکیلہ اختر اور انتظار حسین اہم ہیں۔ ان کے بعد اردو میں افسانہ نگاروں کی ایک بڑی تعداد اس فن کو جلا بخشنے میں ہمہ تن مصروف ہے۔

# کرشن چندر

کرشن چندر 23 نومبر 1914ء کو وزیرآباد ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ڈاکٹر گوری شنکر بھرت پور اور پونچھ (کشمیر) میں میڈیکل افسر تھے۔ کرشن چندر کی ابتدائی تعلیم پونچھ (جموں کشمیر) میں ہوئی۔ 1930ء کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور گئے اور فورمین کرسچین کالج میں داخلہ لیا۔ 1934 میں پنجاب یونی ورسٹی سے انگریزی زبان میں ایم۔ اے کیا اور 1937ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ ان کو ملازمت کے بندھن میں جکڑی زندگی پسند نہیں تھی۔ پھر بھی 1939ء میں آل انڈیا ریڈیو لاہور میں پروگرام اسسٹنٹ کے طور پر ملازمت کی۔ ایک سال کے بعد دہلی اور پھر کچھ دنوں کے بعد آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں تبادلہ کرالیا۔ لاہور، دہلی اور لکھنؤ جیسے ادبی مقامات میں رہ کر ان کی زبان اور بیان میں نکھار اور ان کے ادبی ذوق وشوق میں غیر معمولی اضافہ پیدا ہوا۔

کرشن چندر نے ابتدا میں انگریزی زبان میں لکھنا شروع کیا لیکن پھر وہ اردو میں لکھنے لگے۔ 'ہمایوں' اور 'ادبی دنیا' میں ان کی کہانیاں شائع ہوئیں اور پھر وہ سدا کے لئے اردو کے ہوکر رہ گئے۔ ان کے افسانوں کو لازوال شہرت حاصل ہوئی۔ ان کے افسانوں کو اردو افسانوں میں اضافہ تصور کیا گیا اور کرشن چندر اردو دنیا کے ایک بے حد اہم افسانہ نگار بن گئے۔

لکھنؤ میں قیام کے دوران ہی ان کو شالیمار پکچرز کی جانب سے مکالمے لکھنے کی دعوت ملی اور وہ استعفا دے کر پونہ چلے گئے پھر بعد میں مستقل طور پر ممبئی میں سکونت اختیار کرلی۔ 1969 میں حکومت ہند کی جانب سے ان کو پدم بھوشن کے اعزاز سے نوازا گیا اور دوسرے کئی اداروں کی طرف سے بھی ان کی ادبی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔

کرشن چندر کی تقریباً 80 کتابیں شائع ہوئیں۔ انہوں نے افسانوں کے علاوہ ناول، ڈرامے، رپورتاژ اور مضامین تحریر کیے۔ لیکن ان کی بنیادی حیثیت ایک افسانہ نگار کی ہے۔ ان کے ناولوں میں 'شکست'، 'جب کھیت جاگے'، 'دل کی وادیاں سوگئیں'، 'ایک گدھے کی سرگزشت'، اور 'آسمان روشن ہے' وغیرہ خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ 'شکست' کرشن چندر کا پہلا ناول ہے۔ کرشن چندر بنیادی طور پر ایک رومانی افسانہ نگار تھے۔ ان کی زبان نہایت خوب صورت اور سبک تھی اور اس میں جادو جیسا اثر تھا۔ کرشن چندر اپنی خوب صورت زبان اور معیاری تخلیقات کے لئے ہمیشہ یاد کیے جائیں گے۔ ہندوستان کی مختلف زبانوں کے علاوہ دنیا کے دوسرے بڑے ممالک کی اہم زبانوں میں بھی ان کے افسانوں اور ناولوں کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ 8/ مارچ 1977ء کو ممبئی میں ان کا انتقال ہوگیا۔

ABDIEL SOLUTIONS * PATNA * ABSOL

# پورے چاند کی رات

اپریل کا مہینہ تھا۔ بادام کی ڈالیاں پھولوں سے لد گئی تھیں اور ہوا میں برفیلی خنکی کے باوجود بہار کی لطافت آ گئی تھی۔ بلند و بالا تنگوں کے نیچے مخملیں دوب پر کہیں کہیں برف کے ٹکڑے سپید پھولوں کی طرح کھلے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اگلے ماہ تک یہ سپید پھول اسی دوب میں جذب ہو جائیں گے، اور دوب کا رنگ گہرا سبز ہو جائے گا، اور بادام کی شاخوں پر ہرے ہرے بادام پکھراج کے نگینوں کی طرح جھلملائیں گے اور نیلگوں پہاڑوں کے چہروں سے کہرا دور ہوتا جائے گا اور اس جھیل کے پل کے پار پگڈنڈی کی خاک، ملائم بھیڑوں کی جانی پہچانی باآ آ آ سے جھنجھنا اٹھے گی، اور پھر ان بلند و بالا تنگوں کے نیچے چرواہے بھیڑوں کے جسموں سے سردیوں کی پلی ہوئی موٹی موٹی گف اون گرمیوں میں کترتے جائیں گے اور گیت گاتے جائیں گے۔

لیکن ابھی اپریل کا مہینہ تھا.. ابھی تنگوں پر پتیاں نہ پھوٹی تھیں۔ ابھی پہاڑوں پر برف کا کہرا تھا۔ ابھی پگڈنڈی کا سینہ بھیڑوں کی آواز سے گونجا نہ تھا۔ ابھی سمل کی جھیل پر کنول کے چراغ روشن نہ ہوئے تھے۔ جھیل کا گہرا سبز پانی اپنے سینے کے اندر اُن لاکھوں روپوں کو چھپائے بیٹھا تھا جو بہار کی آمد پر یکا یک اس کی سطح پر ایک معصوم اور بے لوث ہنسی کی طرح کھل جائیں گے۔ پل کے کنارے کنارے بادام کے پیڑوں کی شاخوں پر شگوفے چمکنے لگے تھے۔ اپریل میں زمستاں کی آخری شب میں جب بادام کے پھول جاگتے ہیں۔ اور بہار کے نقیب بن کر جھیل کے پانی میں اپنی کشتیاں تیراتے ہیں۔ پھولوں کے ننھے ننھے شکارے سطحِ آب پر رقصاں و لرزاں بہار کی آمد کے منتظر ہیں۔

پل کے جنگلے کا سہارا لے کر میں ایک عرصے سے اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ سہ پہر ختم ہو گئی۔ شام آ گئی، جھیل ولر کو جانے والے ہاؤس بوٹ، پل کی سنگلاخی محرابوں کے بیچ میں سے گزر گئے اور اب وہ افق کی لکیر پر کاغذ کی ناؤ کی طرح کمزور اور بے بس نظر آ رہے تھے۔ شام کا قرمزی رنگ آسمان کے اس کنارے سے اس کنارے تک پھیلتا گیا اور قرمزی سے سرمئی اور سرمئی سے سیاہ ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ بادام کے پیڑوں کی قطار کی اوٹ میں پگڈنڈی بھی سو گئی اور پھر رات کے سناٹے میں پہلا تارا کسی مسافر کے گیت کی طرح چمک اٹھا۔ ہوا کی خنکی تیز تر ہوتی گئی اور نتھنے اس کے

بر فیلے لمس سے سُن ہو گئے۔

اور پھر چاند نکل آیا۔

اور پھر وہ آ گئی۔

تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی، بلکہ پگڈنڈی کے ڈھلان پر دوڑتی ہوئی وہ میرے قریب آ کے رک گئی، اس نے آہستہ سے کہا:

'ہائے!'

اس کی سانس تیزی سے چل رہی تھی، پھر رک جاتی، پھر تیزی سے چلنے لگتی۔ اس نے میرے شانے کو اپنی انگلیوں سے چھوا اور پھر اپنا سر وہاں رکھ دیا اور اس کے گہرے سیاہ بالوں کا پریشان گھنا جنگل دور تک میری روح کے اندر پھیلتا چلا گیا اور میں نے اس سے کہا:

'سہ پہر سے تمھارا انتظار کر رہا ہوں۔'

اس نے ہنس کر کہا: 'اب رات ہو گئی ہے، بڑی اچھی رات ہے یہ۔' اس نے اپنا کمزور ننھا چھوٹا سا ہاتھ میرے دوسرے شانے پر رکھ دیا اور جیسے بادام کے پھولوں سے بھری شاخ جھک کر میرے کندھے پر سو رہی۔

دیر تک وہ خاموش رہی۔ دیر تک میں خاموش رہا۔ پھر وہ آپ ہی آپ ہنسی، بولی: 'ابا میرے پگڈنڈی کے موڑ تک میرے ساتھ آئے تھے، کیونکہ میں نے کہا، مجھے ڈر لگتا ہے۔ آج مجھے اپنی سہیلی رجو کے گھر سونا ہے، سونا نہیں ہے، جاگنا ہے۔ کیونکہ بادام کے پہلے شگوفوں کی خوشی میں ہم سب سہیلیاں رات بھر جاگیں گی اور گیت گائیں گی اور میں تو سہ پہر سے تیاری کر رہی تھی ادھر آنے کی۔ لیکن دھان صاف کرنا تھا اور کپڑوں کا یہ جوڑا کل دھویا تھا آج سوکھا نہ تھا۔ اسے آگ پر سکھایا اور اماں جنگل سے لکڑیاں چننے گئی تھیں وہ ابھی آئی نہ تھیں۔ اور جب تک وہ نہ آتیں میں مکئی کے بھٹے اور خشک خوبانیاں اور زرد آلو تمہارے لیے کیسے لا سکتی ہوں۔ دیکھو یہ سب کچھ لائی ہوں تمہارے لیے۔ ہائے تم تو سچ مچ خفا کھڑے ہو۔ میری طرف دیکھو میں آ گئی ہوں، آج پورے چاند کی رات ہے — آؤ کنارے لگی ہوئی کشتی کھولیں اور جھیل کی سیر کریں۔'

اُس نے میری آنکھوں میں دیکھا۔ اور میں نے اس کی محبت اور حیرت میں گم پتلیوں کو دیکھا، جن میں اس وقت چاند چمک رہا تھا اور یہ چاند مجھ سے کہہ رہا تھا: جاؤ کشتی کھول کے جھیل کے پانی پر سیر کرو۔ آج بادام کے پہلے

شگوفوں کا مسرت بھرا تیوہار ہے۔ آج اُس نے تمھارے لیے اپنی سہیلیوں اپنے ابا، اپنی ننھی بہن اپنے بڑے بھائی سب کو فریب میں رکھا ہے، کیونکہ آج پورے چاند کی رات ہے اور بادام کے سپید خنک شگوفے برف کے گالوں کی طرح چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں اور کشمیر کے گیت اس کی چھاتیوں میں بچّے کے دودھ کی طرح امنڈ آئے ہیں۔ اُس کی گردن میں تم نے موتیوں کی یہ ست لڑی دیکھی۔ یہ سُرخ ست لڑی اس کے گلے میں ڈال دی اور اس سے کہا: 'تو آج رات بھر جاگے گی۔ آج کشمیر کی بہار کی پہلی رات ہے۔ آج تیرے گلے سے کشمیر کے گیت یوں کھلیں گے، جیسے چاندنی رات میں زعفران کے پھول کھلتے ہیں۔ یہ سُرخ ست لڑیاں پہن لے۔'

چاند نے یہ سب کچھ اس کی حیران پتلیوں سے جھانک کے دیکھا پھر یکا یک کہیں کسی پیڑ پر ایک بلبل نغمہ سرا ہو اٹھی اور کشتیوں میں چراغ جھلملانے لگے اور شکوں کے پرے بستی میں گیتوں کی مدھم صدا بلند ہوئی۔ گیت اور بچّوں کے قہقہے اور مردوں کی بھاری آوازیں اور ننھے بچّوں کے رونے کی میٹھی صدائیں چھتوں سے اور زندگی کا آہستہ آہستہ سلگتا ہوا دھواں۔ اور شام کے کھانے کی مہک، مچھلی اور بھات اور کرم کے ساگ کا نرم نمکین اور لطیف ذائقہ اور پورے چاند کی رات کا بہار آفریں جوبن۔ میرا غصہ ڈھل گیا۔ میں نے اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس نے کہا: 'آؤ چلیں جھیل پر۔'

پُل گزر گیا۔ پگڈنڈی گزر گئی۔ بادام کے درختوں کی قطار ختم ہوگئی۔ اب ہم جھیل کے کنارے کنارے چل رہے تھے۔ جھاڑیوں میں مینڈک بول رہے تھے۔ مینڈک اور جھینگر اور مینڈے، ان کی بے ہنگم صداؤں کا شور بھی ایک نغمہ بن گیا تھا۔ ایک خواب ناک سمٹی اور سوئی ہوئی جھیل کے بیچ میں چاند کی کشتی کھڑی تھی۔ ساکن چپ چاپ، محبت کے انتظار میں، ہزاروں سال سے اسی طرح کھڑی تھی۔ میری اور اس کی محبت کی منتظر، تمھاری اور تمھارے محبوب کی مسکراہٹ کی منتظر، انسان کے انسان کو چاہنے کی آرزو کی منتظر، یہ پورے چاند کی حسین پاکیزہ رات محبت کے مقدس لمس کی منتظر ہے۔

کشتی خوبانی کے ایک پیڑ سے بندھی تھی۔ جو بالکل جھیل کے کنارے اُگا تھا۔ یہاں پر زمین بہت نرم تھی اور چاندنی کی اوٹ سے چھنتی ہوئی آرہی تھی اور مینڈک ہولے ہولے گا رہے تھے اور جھیل کا پانی بار بار کنارے کو چومتا جاتا تھا اور اس کے چومنے کی صدا بار بار ہمارے کانوں میں آرہی تھی...... جھیل کی سطح پر لاکھوں کنول کھل گئے۔ نرم ہواؤں کے لطیف جھونکے یکا یک بلند ہو کے صدہا گیت گانے لگے اور لاکھوں مندروں، مسجدوں اور کلیساؤں میں

دعاؤں کا شور بلند ہوا اور زمین کے پھول اور آسمان کے تارے اور ہواؤں میں اڑنے والے بادل سب مل کر ناچنے لگے۔ پھر کنول کھلتے کھلتے سمٹتے گئے کلیوں کی طرح۔ اور گیت بلند ہو ہو کے مدھم ہوتے گئے اور ناچ دھیما پڑتا پڑتا رک گیا۔ اب وہی مینڈک کی آواز تھی۔ وہی جھیل کے نرم نرم بوسے۔

میں نے آہستہ سے کشتی کھولی۔ وہ کشتی میں بیٹھ گئی۔ میں نے چپو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کشتی کو کھے کر جھیل کے مرکز میں لے گیا۔ یہاں کشتی آپ ہی آپ کھڑی ہوگئی۔ نہ اِدھر بہتی تھی اور نہ اُدھر۔ میں نے چپو اُٹھا کر کشتی میں رکھ لیا۔ اس نے پوٹلی کھولی، اس میں سے زردالو نکال کے مجھے دیے۔ خود بھی کھانے لگی۔

زردالو خشک تھے اور کھٹے میٹھے۔

وہ بولی یہ پچھلی بہار کے ہیں۔

میں زردالو کھاتا رہا اور اس کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ آہستہ سے بولی:

'پچھلی بہار میں تم نہ تھے۔'

پچھلی بہار میں میں نہ تھا۔ اور زردالو کے پیڑ پھولوں سے بھر گئے تھے۔ اور ذرا سی شاخ ہلانے پر پھول ٹوٹ کر سطح زمین پر موتیوں کی طرح بکھر جاتے تھے۔ پچھلی بہار میں میں نہ تھا اور زردالو کے پیڑ پھلوں سے لدے پھندے تھے۔ سبز سبز زردالو۔ سخت کھٹے زردالو جو نمک مرچ لگا کے کھائے جاتے تھے اور زبان سی سی کرتی تھی اور ناک بہنے لگتی تھی۔

زردالو کھا کے ہم نے خشک خوبانیاں کھائیں۔ خوبانی پہلے تو بہت میٹھی معلوم نہ ہوتی مگر جب دہن کے لعاب میں گھل جاتی تو شہد و شکر کا مزہ دینے لگتی۔

'نرم نرم بہت میٹھی ہیں یہ۔' میں نے کہا۔

اس نے ایک گٹھلی کو دانتوں سے توڑا اور خوبانی کا بیج نکال کر مجھے دیا: 'کھاؤ، بادام کی طرح میٹھا ہے۔'

'ایسی خوبانیاں میں نے کبھی نہیں کھائیں۔'

اس نے کہا: 'یہ ہمارے آنگن کا پیڑ ہے۔ ہمارے یہاں خوبانی کا ایک ہی پیڑ ہے۔ مگر اتنی بڑی سُرخ اور میٹھی خوبانیاں ہوتی ہیں اس کی کہ میں کیا کہوں۔ جب خوبانیاں پک جاتی ہیں تو میری سہیلیاں اکٹھی ہوجاتی ہیں۔ اور خوبانیاں کھلانے کو کہتی ہیں...... پچھلی بہار میں......'

اور میں نے سوچا، پچھلی بہار میں میں نہ تھا، مگر خوبانی کا پیڑ آنگن میں اسی طرح کھڑا تھا، پچھلی بہار میں وہ نازک پتوں سے بھر گیا تھا۔ پھر ان میں کچی خوبانیوں کے سبز اور نیلے پھل لگے تھے۔ ابھی ان خوبانیوں میں گٹھلی پیدا ہوئی تھی اور یہ کچے کھٹے پھل دوپہر کے کھانے کے ساتھ چٹنی کا کام دیتے تھے۔ پچھلی بہار میں میں نہ تھا اور ان خوبانیوں میں گٹھلیاں پیدا ہوگئی تھیں اور خوبانیوں کا رنگ ہلکا سنہرا ہونے لگا تھا۔ اور گٹھلیوں کے اندر نرم نرم بیج اپنے ذائقے میں سبز باداموں کو بھی مات کرتے تھے۔

خوبانیاں کھا کے اس نے مکئی کا بھٹا نکالا۔ ایسی سوندھی سوندھی خوشبو تھی۔ سنہرا سینکا ہوا بھٹا۔ اور کرکرے دانے صاف، شفاف موتیوں کی سی جلا لیے ہوئے اور ذائقے میں بے حد شیریں۔

وہ بولی: 'یہ مصری مکئی کے بھٹے ہیں۔'

'بے حد میٹھے' میں نے بھٹا کھاتے ہوئے کہا۔

وہ بولی: 'پچھلی فصل کے رکھے تھے، گھڑوں میں چھپا کے۔ اماں کی آنکھ سے اوجھل۔'

میں نے بھٹا ایک جگہ سے کھایا۔ دانوں کی چند قطاریں رہنے دیں، پھر اس نے اسی جگہ سے کھایا اور دانوں کی چند قطاریں میرے لیے رہنے دیں۔ جنھیں میں کھانے لگا اور اس طرح ہم دونوں ایک ہی بھٹے سے کھاتے گئے۔

اور میں نے سوچا: یہ مصری مکئی کے بھٹے کتنے میٹھے ہیں۔ یہ پچھلی فصل کے بھٹے، جب تو تھی میں نہ تھا۔ جب تیرے باپ نے ہل چلایا تھا کھیتوں میں۔ گوڑی کی تھی، بیج بوئے تھے، بادلوں نے پانی دیا تھا۔ زمین نے سبز سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے پودے اگائے تھے، جن میں تو نے نلائی کی تھی۔ پھر پودے بڑے ہوگئے تھے اور ہوا میں جھومنے لگے تھے اور تو مکئی کے پودوں پر ہرے ہرے بھٹے دیکھنے جاتی تھی۔ جب میں نہ تھا۔ لیکن بھٹوں کے اندر دانے پیدا ہورہے تھے، دودھ بھرے دانے، جن کی نازک جلد کے اوپر اگر ذرا سا بھی ناخن لگ جائے تو دودھ باہر نکل آتا ہے۔ ایسے نرم و نازک بھٹے اس دھرتی نے اُگائے تھے اور میں نہ تھا۔ دھرتی تھی، تخلیق تھی، محبت کے گیت تھے۔ آگ پر سینکے ہوئے بھٹے تھے، لیکن میں نہ تھا۔

میں نے مسرّت سے اس کی طرف دیکھا اور کہا: 'آج پورے چاند کی رات کو جیسے ہر بات پوری ہوگئی ہے۔'

اس نے بھٹا میرے منہ سے لگا دیا۔ اس کے ہونٹوں کا گرم گرم نمناک لمس ابھی تک اس بھٹے پر تھا۔

وہ پورے چاند کی رات مجھے اب تک نہیں بھولتی۔ میری عمر ستر برس کے قریب ہے، لیکن وہ پورے چاند کی

رات میرے ذہن میں اس طرح چمک رہی ہے جیسے ابھی وہ کل آئی تھی۔ ایسی پاکیزہ محبت میں نے آج تک نہیں کی ہوگی، اس نے بھی نہیں کی ہوگی، وہ جادو ہی کچھ اور تھا جس نے پورے چاند کی رات کو ہم دونوں کو ایک دوسرے سے یوں ملا دیا کہ وہ پھر گھر نہیں گئی۔ اور ہم محبت میں کھوئے ہوئے بچوں کی طرح ادھر اُدھر جنگلوں کے کنارے ندی نالوں پر اخروٹوں کے سائے تلے گھومتے رہے، دنیا و مافیہا سے بے خبر۔ پھر میں نے اسی جھیل کے کنارے ایک چھوٹا سا گھر خرید لیا اور اس میں ہم دونوں رہنے لگے۔ کوئی ایک مہینے کے بعد میں سری نگر گیا اور اس سے یہ کہہ کے گیا کہ تیسرے دن لوٹ آؤں گا، تیسرے دن میں لوٹ آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک نوجوان سے گھل مل کے باتیں کر رہی ہے۔ وہ دونوں ایک ہی رکابی میں کھانا کھا رہے تھے۔ ایک دوسرے کے منہ میں لقمے ڈالتے جاتے ہیں اور ہنستے جاتے ہیں۔ میں نے انہیں دیکھ لیا لیکن انہوں نے مجھے نہیں دیکھا۔ وہ اپنی مسرت میں اس قدر محو تھے کہ انہوں نے مجھے نہیں دیکھا اور میں نے سوچا کہ یہ پچھلی بہار یا اس سے بھی پچھلی بہار کا محبوب ہے، جب میں نہ تھا۔ اور پھر شاید اور آگے بھی کتنی ہی ایسی بہاریں آئیں گی، کتنی ہی پورے چاند کی راتیں، جب محبت ایک فاحشہ عورت کی طرح بے قابو ہو جائے گی اور عریاں ہو کے رقص کرنے لگے گی۔ آج تیرے گھر میں خزاں آ گئی ہے جیسے بہار کے بعد آتی ہے۔ اب تیرا یہاں کیا کام۔ اس لیے میں یہ سوچ کر اُن سے ملے بغیر، اسی طرح واپس چلا گیا اور پھر اپنی پہلی بہار سے کبھی نہیں ملا۔

اور اب میں اڑتالیس برس کے بعد لوٹ کے آیا ہوں۔ میرے بیٹے میرے ساتھ ہیں۔ میری بیوی مر چکی ہے لیکن میرے بیٹوں کی بیویاں اور ان کے بچے میرے ساتھ ہیں اور ہم لوگ سیر کرتے کرتے سُمل جھیل کے کنارے آ نکلے ہیں اور اپریل کا مہینہ ہے۔ سہ پہر سے شام ہو گئی ہے اور میں دیر تک پُل کے کنارے کھڑا بادام کے پیڑوں کی قطاریں دیکھتا جاتا ہوں اور خنک ہوا میں سفید گوشوں کے گچھے لہراتے جاتے ہیں اور پگڈنڈی کی خاک پر سے کسی جانے پہچانے قدموں کی آواز سنائی نہیں دیتی۔ ایک حسین دوشیزہ لڑکی ہاتھوں میں ایک چھوٹی سی پوٹلی دبائے پُل پر سے بھاگتی ہوئی گزر جاتی ہے اور میرا دل دھک سے رہ جاتا ہے۔ دور پار ٹیکروں سے پرے بستی میں کوئی بیوی اپنے خاوند کو آواز دے رہی ہے، وہ اسے کھانے پر بلا رہی ہے۔ کہیں سے ایک دروازہ بند ہونے کی صدا آتی ہے اور ایک روتا ہوا بچہ یکایک چپ ہو جاتا ہے۔ چھتوں سے دھواں نکل رہا ہے اور پرندے شور مچاتے ہوئے ایک دم درختوں کی گھنی شاخوں میں اپنے پر پھڑپھڑاتے ہیں اور پھر ایک دم چپ ہو جاتے ہیں۔ ضرور کوئی مانجھی گا رہا

ہے اور اس کی آواز گونجتی گونجتی افق کے اُس پار گم ہوتی جا رہی ہے۔

میں پُل کو پار کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ میرے بیٹے اور ان کی بیویاں اور بچّے میرے پیچھے آ رہے ہیں، الگ الگ ٹولیوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ یہاں پر بادام کے پیڑوں کی قطار ختم ہوگئی، تالہ بھی ختم ہوگیا۔ جھیل کا کنارہ ہے۔ یہ خوبانی کا درخت ہے، لیکن کتنا بڑا ہوگیا ہے۔ مگر کشتی، یہ کشتی ہے مگر کیا یہ وہی کشتی ہے۔ سامنے وہ گھر ہے۔ میری پہلی بہار کا گھر، میری پورے چاند کی رات کی محبت۔

گھر میں روشنی ہے بچّوں کی صدائیں ہیں۔ کوئی بھاری آواز میں گانے لگتا ہے۔ کوئی بڑھیا اسے چیخ کر چپ کر دیتی ہے۔ میں سوچتا ہوں، آدھی صدی ہوگئی۔ میں نے اس گھر کو نہیں دیکھا۔ دیکھ لینے میں حرج ہی کیا ہے۔ میں گھر کے اندر چلا جاتا ہوں۔

بڑے اچھے پیارے بچّے ہیں۔ ایک جوان عورت اپنے خاوند کے لیے رکابی میں کھانا رکھ رہی ہے، مجھے دیکھ کر ٹھٹھک جاتی ہے۔ دو بچّے لڑ رہے تھے، مجھے دیکھ کر حیرت سے چپ ہو جاتے ہیں۔ بڑھیا جو ابھی غصّے میں ڈانٹ رہی تھی، تھم کے پاس آ کے کھڑی ہو جاتی ہے، کہتی ہے: 'کون ہو تم؟'

میں نے کہا: 'یہ میرا گھر ہے۔'

وہ بولی: 'تمھارے باپ کا ہے۔'

میں نے کہا: 'میرے باپ کا نہیں ہے، میرا ہے۔ کوئی اڑتالیس برس ہوئے، میں نے اسے خریدا تھا۔ بس اس وقت تو یونہی میں اسے دیکھنے کے لیے چلا آیا۔ آپ لوگوں کو نکالنے کے لیے نہیں آیا ہوں۔ یہ گھر تو بس مجھے اب آپ ہی کا ہے۔ میں تو یونہی......' میں یہ کہہ کر لوٹنے لگا۔ بڑھیا کی انگلیاں سختی سے تھم پر جم گئیں۔ اس نے سانس زور سے اندر کو کھینچی۔ بولی: 'تو تم ہو...... اب اتنے برس کے بعد کوئی کیسے پہچانے......'

وہ تھم سے لگی دیر تک خاموش کھڑی رہی۔ میں نیچے آنگن میں چپ چاپ کھڑا اس کی طرف تکتا رہا۔ پھر وہ آپ ہی آپ ہنس دی، بولی: 'آؤ میں تمھیں اپنے گھر کے لوگوں سے ملاؤں...... دیکھو، یہ میرا بڑا بیٹا ہے۔ یہ اس سے چھوٹا ہے، یہ بڑے بیٹے کی بیوی ہے۔ یہ میرا بڑا پوتا ہے، سلام کرو بیٹا۔ یہ پوتی...... یہ میرا خاوند ہے۔ شش اسے جگاؤ نہیں۔ پرسوں سے اسے بخار آ رہا ہے۔ سونے دو اسے......'

وہ بولی: 'تمھاری کیا خاطر کروں۔'

میں نے دیوار پر کھونٹی سے ٹنگے ہوئے مکئی کے بھٹوں کو دیکھا، سینکے ہوئے بھٹے سنہرے موتیوں کے سے شفاف دانے۔

ہم دونوں مسکرا دیے۔

وہ بولی: 'میرے تو بہت سے دانت جھڑ چکے ہیں، جو ہیں بھی وہ کام نہیں کرتے۔'

میں نے کہا: 'یہی حال میرا بھی ہے۔ بھٹا نہ کھا سکوں گا۔'

مجھے گھر کے اندر گھستے دیکھ کر میرے گھر کے افراد بھی اندر چلے آئے تھے۔ اب خوب گہما گہمی تھی۔ بچّے ایک دوسرے سے بہت جلد گھل مل گئے۔

ہم دونوں آہستہ آہستہ باہر چلے آئے۔ آہستہ آہستہ جھیل کے کنارے چلے گئے۔

وہ بولی: 'میں نے پچھے برس تمھارا انتظار کیا۔ تم اس روز کیوں نہیں آئے؟'

میں نے کہا: 'میں آیا تھا، مگر تمھیں کسی دوسرے نوجوان کے ساتھ دیکھ کر واپس چلا گیا تھا۔'

'کیا کہتے ہو؟' وہ بولی۔

'ہاں تم اس کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں، ایک ہی رکابی میں اور وہ تمھارے منہ میں اور تم اس کے منہ میں لقمے ڈال رہی تھیں۔'

وہ اک دم چپ ہوگئی۔ پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔

'کیا ہوا؟' میں نے حیران ہو کر پوچھا۔

وہ بولی: 'ارے وہ تو میرا سگا بھائی تھا۔'

وہ پھر زور زور سے ہنسنے لگی۔ 'وہ مجھ سے ملنے کے لیے آیا تھا۔ اسی روز تم بھی آنے والے تھے۔ وہ واپس جا رہا تھا۔ میں نے اسے روک لیا کہ تم سے مل کے جائے۔ تم پھر آئے ہی نہیں۔'

وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئی۔ پچھے برس میں نے تمھارا انتظار کیا۔ مگر تم نہیں آئے۔ پھر میں نے شادی کر لی۔

دو بچّے باہر نکل آئے۔ کھیلتے کھیلتے ایک بچّہ دوسری بچّی کو مکئی کا بھٹا کھلا رہا تھا۔

اس نے کہا: 'وہ میرا پوتا ہے۔'

میں نے کہا: 'وہ میری پوتی ہے۔'

وہ دونوں بھاگتے بھاگتے جھیل کے کنارے کنارے دور تک چلے گئے۔ زندگی کے دو خوبصورت مُرقّعے۔ ؟ دیر تک انہیں دیکھتے رہے۔ وہ میرے قریب آگئی۔ بولی: 'آج تم آئے ہو تو مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ میں نے اب ا زندگی بنالی ہے۔ اس کی ساری خوشیاں اور غم دیکھے ہیں۔ میرا ہرا بھرا گھر ہے۔ اور آج تم بھی آئے ہو، مجھے ذرا بُرا نہیں لگ رہا ہے۔'

میں نے کہا: 'یہی حال میرا ہے۔ سوچتا تھا زندگی بھر تم سے نہیں ملوں گا۔ اسی لیے اتنے برس ادھر کبھی نہ آیا۔ اب آیا ہوں تو رتی بھر بھی بُرا نہیں لگ رہا۔'

ہم دونوں چپ ہوگئے۔ بچے کھیلتے کھیلتے ہمارے پاس واپس آگئے۔ اس نے میری پوتی کو اٹھالیا، میں۔ اس کے پوتے کو، اس نے میری پوتی کو چوما، میں نے اس کے پوتے کو، اور ہم دونوں خوشی سے ایک دوسرے دیکھنے لگے۔ اس کی پتلیوں میں چاند چمک رہا تھا اور وہ چاند حیرت اور مسرت سے کہہ رہا تھا: 'انسان مر جاتے ہیں لیکن زندگی نہیں مرتی، بہار ختم ہوجاتی ہے لیکن پھر دوسری بہار آجاتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی محبتیں بھی ختم ہوجاتی ہیں لیکن زندگی کی بڑی عظیم سچی محبت ہمیشہ قائم رہتی ہے۔ تم دونوں پچھلی بہار میں نہ تھے، وہ بہار میں نے دیکھی، اس سے اُ بہار میں تم نہ ہوگے، لیکن زندگی بھی ہوگی اور محبت بھی ہوگی اور خوب صورتی اور رعنائی اور معصومیت بھی......

بچے ہماری گود سے اتر پڑے کیونکہ وہ الگ سے کھیلنا چاہتے تھے۔ وہ بھاگتے ہوئے خوبانی کے درخت قریب چلے گئے، جہاں کشتی بندھی تھی۔

میں نے پوچھا: 'یہ وہی درخت ہے۔'

اس نے مسکرا کر کہا: 'نہیں یہ دوسرا درخت ہے۔'

لفظ و معنی

| | | |
|---|---|---|
| خنکی | ۔ | سردی، ٹھنڈک |
| لطافت | ۔ | نرمی، نزاکت، عمدگی |
| دوب | ۔ | گھاس |
| تنگ | ۔ | پہاڑ کی چوٹی، بلندی |
| کُہرا | ۔ | دھند، کہر، وہ بخارات جو سردی کے موسم میں صبح اور رات کو دھند پیدا کردیتے ہیں۔ |

| | | |
|---|---|---|
| سطح | ۔ | کسی چیز کا بالائی حصہ |
| زمستان | ۔ | جاڑا، سردی کا موسم |
| گوت | ۔ | خاندان، گھرانہ، حسب نسب، گوتر بھی استعمال ہوتا ہے۔ |
| بے لوث | ۔ | بے غرض |
| شکارا | ۔ | ایک خاص قسم کی کشتی جو کشمیر کی جھیلوں میں استعمال کی جاتی ہے۔ |
| رقص | ۔ | ناچ، رقصاں بہ معنی ناچتا ہوا |
| لرزنا | ۔ | کانپنا، لرزاں بہ معنی کانپتا ہوا |
| سنگلاخ | ۔ | پتھریلی زمین یا پہاڑی علاقہ سنگلاخی کنایتاً مشکل، دشوار |
| اُفق | ۔ | آسمان کا کنارا۔ جمع آفاق |
| شانہ | ۔ | کاندھا، مونڈھا، ایک معنی کنگھی بھی ہوتا ہے۔ |
| مسرت | ۔ | خوشی، شادمانی، انبساط |
| گوڑی کرنا | ۔ | کھرپی سے پودوں کے چاروں طرف کی مٹی کو نیچے اوپر کرنا، گوڑنا اسی کو گوڑنا بھی کہتے ہیں۔ |
| نلائی کرنا | ۔ | کھیت میں سے گھاس پھوس صاف کرنا۔ |
| خوبانی | ۔ | زردآلو، ایک قسم کا پھل |
| لمس | ۔ | کسی چیز کو چھونے کا احساس، مس کرنا |
| قرمزی | ۔ | لال، سُرخ رنگ، قرمز بیر بہوٹی کی مانند ایک کیڑا |
| شگوفہ | ۔ | کلی، بن کھلا پھول، شگوفہ چھوڑنا ایک محاورہ ہے، مراد انوکھی بات |
| بے لوث | ۔ | بے غرض، بغیر کسی فائدے کے کوئی کام کرنا۔ |
| مرکز | ۔ | بیچ، درمیان |
| دہن | ۔ | منہ |
| مرقع | ۔ | تصویروں کی کتاب، البم |
| مات دینا | ۔ | شکست دینا |
| کھلیان | ۔ | کھیت میں اناج رکھنے کی جگہ |

عظیم - بڑا، کلاں

تھم - کھمبا، کیلے کے پیڑ کا تنا

## آپ نے پڑھا

- یہ افسانہ کشمیر کی حسین و رنگین سرزمین کی ایک خوب صورت داستان ہے۔ اس افسانے میں بہاروں کی سرزمین کشمیر کی حسین وادیوں، پہاڑوں اور جھیلوں کا ذکر ہے۔ پھولوں، حسین پودوں اور خوبانی کے درختوں کے علاوہ ہری بھری خوش نما گھاس اور برف سے ڈھکی پہاڑوں کی چوٹیوں کی منظر نگاری ہے، ساتھ ہی دو معصوم دلوں کی درد بھری ایک داستان بھی ہے۔
- اس افسانے کو بیان کرنے والا ایک بوڑھا شخص ہے جو کبھی ایک لڑکی سے بہت پیار کرتا تھا، لڑکی بھی اس کو بہت چاہتی تھی۔ لیکن ایک غلط فہمی کی بنیاد پر دونوں ایک دوسرے سے بچھڑ جاتے ہیں اور پھر 48 برس کے بعد ان دونوں کی ملاقات ہوتی ہے، جب وہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو پہلی نظر میں ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں پاتے ہیں، اس لیے کہ دونوں ہی بہت بوڑھے ہو چکے تھے۔ لڑکا دادا بن چکا تھا اور کہانی کی لڑکی بھی اپنے ناتی پوتوں کو کھلا رہی تھی۔
- بوڑھی عورت جب اپنے ماضی کے خوابوں کے شہزادہ بوڑھے مرد کو پہچان جاتی ہے تو اس سے اپنی درد بھری آواز میں یہ کہتی ہے: 'اب اتنے برس کے بعد آئے ہو تو کوئی کیسے پہچانے؟ میں نے چھ برس تمھارا انتظار کیا تم کیوں نہیں آئے؟'

بوڑھا سرد جواب دیتا ہے: 'میں آیا تھا مگر تمھیں ایک دوسرے نوجوان کے ساتھ دیکھ کر واپس چلا گیا، اس روز تم اس کے ساتھ کھانا کھا رہی تھیں، ایک ہی رکابی میں۔'

بوڑھی عورت ایک دم چپ ہو جاتی ہے اور پھر زور زور سے ہنسنے لگتی ہے، پھر کہتی ہے: 'ارے وہ تو میرا سگا بھائی تھا۔'

- کرشن چندر نے اس افسانے میں قدرتی مناظر کو بہت خوب صورت اور دلکش انداز میں پیش کیا ہے۔ الفاظ بھی بہت سادہ اور عام فہم استعمال کیے گئے ہیں۔
- افسانے کے آخر میں خوبانی کا دوسرا درخت ایک علامت کے طور پر دکھایا گیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ زندگی اور محبت دونوں میں ایک تسلسل ہے، ایک روانی ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہ ایک چیز اگر جاتی ہے تو کوئی دوسری چیز فوراً اس کی جگہ لے لیتی ہے۔

## آپ بتایئے

1. کہانی بیان کرنے والے شخص کی ملاقات، لڑکی سے جب ہوئی تو وہ انگریزی سال کا کون سا مہینہ تھا؟
2. لڑکی لڑکے کے لیے کھانے کی کیا کیا چیزیں لائی تھی؟
3. خوبانیاں کھانے کے بعد لڑکے اور لڑکی نے اور کیا کھایا تھا؟
4. لڑکی کے ساتھ ایک ہی رکابی میں کھانے والا لڑکا رشتے میں لڑکی کا کیا لگتا تھا؟
5. کہانی بیان کرنے والا لڑکا جب اچانک غائب ہوجاتا ہے تو لڑکی نے کتنے سالوں تک انتظار کرنے کے بعد اپنی شادی کی تھی؟

## مختصر گفتگو

1. پُل کے کنارے کنارے کس پھل کے پیڑ تھے؟

(الف) خوبانی (ب) اخروٹ (ج) بادام

2. لڑکی جب لڑکے سے ملنے آرہی تھی تو اس کے والد اسے چھوڑنے کہاں تک آئے تھے؟

(الف) جھیل تک (ب) سڑک تک (ج) پگڈنڈی تک

3. لڑکی کے گھر کے آنگن میں کس پھل کا پیڑ تھا؟

(الف) انار کا (ب) خوبانی کا (ج) سیب کا

4. لڑکی اور لڑکے نے مل کر ساتھ ساتھ کتنے بھٹے کھائے تھے؟

(الف) ایک (ب) تین (ج) دو

5. لڑکا 48 سال کے بعد جب لڑکی سے ملنے گھر میں داخل ہوتا ہے تو ایک جوان عورت اپنے خاوند کو کھانا دے رہی تھی، وہ جوان عورت لڑکی کی کون تھی؟

(الف) ماں (ب) بہو (ج) بہن

## تفصیلی گفتگو

1. کرشن چندر نے تقریباً کتنی کتابیں لکھیں؟ ان کے پہلے ناول کا کیا نام ہے؟ ان کے چند دوسرے مشہور ناولوں کے نام بھی تحریر کریں۔

2. کرشن چندر نے وکالت کا امتحان کس سن میں پاس کیا تھا؟ اور کس یونی ورسٹی سے؟

3. اپنی ملازمت کے سلسلے میں وہ کن شہروں میں مقیم ہوئے؟

4. کرشن چندر کو حکومت ہند کی جانب سے کس اعزاز سے نوازا گیا تھا اور کیوں؟

5. کرشن چندر کے والد کا نام کیا تھا؟ ان کی وفات کس شہر میں ہوئی اور کب؟

6. جب کرشن چندر آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں ملازمت کر رہے تھے تو ان کو فلم میں کام کرنے کے لیے کس فلم کمپنی نے دعوت دی تھی اور وہ لکھنؤ سے کہاں چلے گئے تھے؟

آ یئے، کچھ کریں

1. اردو زبان قومی ایکتا کی ایک خوب صورت علامت ہے، اس کے فروغ میں غیر مسلموں نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ چند غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں کے نام تحریر کریں۔

2. کرشن چندر کے کچھ اور افسانوں کا مطالعہ کیجیے اور اپنے دوستوں کے ساتھ ان پر تبادلۂ خیال کیجیے۔